AL-QALAM القلم
ISSN 2071-8683 E-ISSN 2707-0077
Volume 25, Issue, 1, 2020
Published by Institute of Islamic Studies,
University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

عدل اجتماعی اور فلاحی ریاست کا اسلامی و مغربی تصور اور علمائے کرام کی ذمہ داریاں: تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں تقابلی مطالعہ

Social /collective justice and Islamic and western concept of welfare state and responsibilities of religious Scholars: a Comparative Study In the light of the teachings of the Holy prophet

***Dr. Hafiz Abdul Qayyum**
*Associate Professor, Sheikh Zayed Islamic Center, Punjab University, Lahore

Abstract

The Concept of Social Justice and Welfare State in Islamic and Western Discourse and Responsibilities of Ulema(A comparative Study in the Light of Prophetic Teachings)Academic terms are always needed to be carefully studied in their respective context. Social Justice and Welfare State are the terms that have been invented by west. From the second half of 19th century, Muslim thinkers began to use these terms in Islamic context. This article is aimed to present a brief understanding of these terms both in Islamic and Western Discourse. The author has tried to show broader circle of social justice described in the constitution of Pakistan .He has matured his opinion that Ulema in a Muslim society must step forward to lead welfare activities aligning them with masajid .

عدل اجتماعی کا مغربی پس منظر:

نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور اس کے بعد تحریکِ اصلاح (Reformation) کے نتیجہ میں دنیا کے بارے میں لوگوں کے نقطۂ نظر میں اہم تبدیلی واقع ہوئی، غور و فکر اور بحث کے مناہج بدل گئے۔ اس سے قبل دنیا کے بارے میں لوگوں کے افکار و خیالات الہامی علم پر مبنی تھے اور معاشرہ کی اساس وحی کی روشنی میں ترتیب پائی تھی۔ لوگوں کو اس بات کے ماننے میں کوئی تامل نہیں تھا کہ انسان اور کائنات کا خالق و مالک ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور وہی اس کو چلانے والا ہے۔ ان کا اس بات پر بھی یقین تھا کہ یہ مادی دنیا اس وسیع کائنات کا ایک چھوٹا سا جزو ہے۔

ان کا اس بات پر بھی ایمان تھا کہ فرشتے اور روح کا وجود ہے اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی بھی ہو گی۔ وہ یہ بھی مانتے تھے کہ جنت اور جہنم حقیقت ہیں، نیک اعمال کرنے والے جنت اور برے اعمال کے حاملین جہنم

میں داخل کیے جائیں گے۔اسی تصور کی بنا پر انسان اس کائنات میں فوقیت رکھتا تھا۔لیکن تحریک اصلاح کے بعد زندگی کا تصور بدل گیااور دنیا کے بارے میں مادی تصور کو فوقیت حاصل ہوگئی۔اب معاشرے کو فلسفیانہ اور سیکولر بنیادوں پر استوار کیا جانے لگااور مذہب کو فرد کی نجی زندگی کا معاملہ قرار دے دیااور پھر رفتہ رفتہ انسان الہامی علم اور اس کی روشنی میں ترتیب پانے والے علوم وفنون سے آزاد ہوتا چلا گیااور محض حسیت اور تجربیت کو علم کی بنیاد قرار دے دیا۔دنیا کو مکافاتِ عمل قرار دینے کی بجائے مقصود زندگی ٹھہرادیا گیا۔نقطۂ نظر کی اس تبدیلی نے مذہب، سیاسیات، سماجیات، تاریخ غرض زندگی کے ہر پہلو پر گہرے اثرات مرتسم کیے۔

۳۱اکتوبر ۱۵۱۷ء کو مارٹن لوتھر (Martin Luther) نے اپنے پچانوے اعتراضات جرمنی کے شہر وِٹن برگ (Wittenburg) کے کیتھولک (Catholic) چرچ کے دروازے پر چسپاں کر کے چرچ سے آزادی کا جو اعلان کیا وہ مذہب سے آزادی کا اعلان ثابت ہوا۔اس سے لوگوں کو حق وناحق کا فیصلہ روایتی طریقہ کے مطابق مذہب کے حوالے کرنے کی بجائے اپنی مرضی سے کرنے کا اختیار مل گیا۔اسی طرح جب لوگوں نے کلیسا کا قانون ماننے سے انکار کر دیا جس سے وحی کی روشنی میں ترتیب پانے والی اخلاقی تعلیمات بے معنی ہو کر رہ گئیں جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرانسیسی شخص جان کیلوَن (John Calvin) اور پروٹسٹنٹ (Protestantism) مفکرین نے عیسائیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جنیوا میں سود پر قرض دینا جایز قرار دے دیا۔اس سے قبل سود پر قرض دینا اور سودی کاروبار حرمت کے دائرے میں داخل تھا۔

مغربی مفکر میکس ویبر (Max Weber) اپنی کتاب (Protestant Ethics and The Spirit of Capitalism) میں لکھتا ہے کہ یورپ میں سرمایہ دارانہ (Capitalism) فکر و فلسفہ کے فروغ میں تحریک اصلاح کلیسا کے نتیجہ میں معرض وجود میں آنے والے عیسائی فرقے کیلون ازم (Calvinism) اور پروٹسٹنٹ تعلیمات نے اہم کردار ادا کیا۔

عدل اجتماعی کا جدید مفہوم اور تاریخی ارتقاء:

"عدل اجتماعی" کی اصطلاح اپنا ایک فکری پس منظر رکھتی ہے، اس کا تعلق اسلامی تاریخ سے نہیں بلکہ مغرب کی فکری تاریخ سے ہے اور یہ اپنے معنوں میں ایک جدید اصطلاح ہے، جو "Social Justice" کا ترجمہ ہے۔عربی میں اس اصطلاح کا ترجمہ "**العدالة الاجتماعية**" کیا گیا ہے۔عدل اجتماعی کا جدید تصور

سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی میں سرمایہ دارانہ نظام کے استحصال کے خلاف اور اس کے رد عمل میں سامنے آیا۔

عدل اجتماعی کی اصطلاح سب سے پہلے کس نے استعمال کی ؟اس بارے میں مختلف نام ملتے ہیں، لیو شیلڈز (Leo W. Shields) نے صرف ''عدل اجتماعی'' کی اصطلاح پر ایک کتاب لکھی ہے جو اُن کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''عدل اجتماعی'' کا جملہ میں سب سے پہلے ٹپاریلی(Tapparelli) کی فرانسیسی تحریر "Saggi Teoretico di dritto naturale" میں ملتا ہے جو ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی(۱) ۔

ابراہیم حداد کی یہ رائے ہے اس اصطلاح کو جدید معنوں میں سب سے پہلے مشہور ماہر معاشریات سینٹ سائمن(Saint Simon) نے کیا تھا، لیکن بعد میں اس کے شاگرد لیروکس(Leraux) نے اس کو سوشل ازم(Socialism) کی اصطلاح سے بدل دیا۔ جس کا عربی ترجمہ "الاجتماعیة " کیا گیا:

"وقد اصطلح علی اطلاق اسم العدالة الاجتماعیة علی ھذین النوعین من الحق وکان اول من استعمل ھذا الاسم الفیلسوف الفرنسی الشھیر (سان سیمون) الذی طالب فی تالیفه الکثیرة باعادة تشکیل الھیئة الاجتماعیة علی اسس جدیدة لتحقیق ھذه العدالة ، وذلک برفع الحکماءالیٰ مقاعد الحکم ، وتطبیق القاعدة القائلة من کل فرد حسب مقدرتة ولکل فرد حسب اعماله ، ولکن تلمیذه لیراکس (Leraux) عدّل فیما بعد ھذه التسمیة واطلق علیھا لفظة "سوسیالزم" (Socialisme) وجاءالکتاب والمولفون العرب الذین سبقونا یستعملون کلمة الاشتراکیة " ترجمة لھا مع انھا تعنی "الاجتماعیة " فی ترجمة اللفظیة الصرف لھا ، و " العدالة الاجتماعیة" فی مدلولھا الصحیح القویم الشامل "۔(۲)

اس لحاظ سے عدل اجتماعی اپنے جدید مفہوم کے اعتبار سے سرمایہ داری نظام کے رد میں پیش کیا جانے والا فلسفہ ہے ۔ جو اشتراکیت (Socialism) سے متعلق ہے۔ اس طرح ''عدل اجتماعی'' کا تصور اشتراکیت کا مفہوم لیے ہوئے ہے۔(اشتراکیت کا مفہوم اور اس کے خدوخال آگے چل کر بیان کیے جاتے ہیں)۔

"Social Justice is a relatively recent concept, born of the struggles surrounding the industrial revolution and the advent of socialist views on the organization of society."(3)

اسی طرح عدل اجتماعی کا جدید تصور صرف معاش تک محدود ہیں:

"This might be termed economic justice(4)"

مگر اس اصطلاح کے وجود میں آنے کے بعد دنیا بھر میں جدید مفکرین، علمائے مذاہب عالم نے اس اصطلاح کو اپنے اپنے فکری پس منظر میں دیکھا ہے۔ دنیا کی اکثر بڑی زبانوں میں "عدل اجتماعی" کے تصور پر ایک وسیع ذخیرۂ ادب معرض وجود میں آیا ہے۔ اسی طرح اسلامی نقطۂ نظر سے بھی اس کے فلسفہ کو دیکھا گیا ہے، جن میں ابراہیم حداد، عبدالرحمن نصیر، سید قطب، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی وغیرہ شامل ہیں۔

قرآن کریم اور اسلامی روایت میں " **العدالة الاجتماعية** " کے الفاظ نہیں پائے جاتے، مگر قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس میں آنے والا لفظ "عدل" آفاق وانفس اور انفرادی و اجتماعی دونوں پہلو کا مفہوم لیے ہوئے ہے۔ جب کہ عدلِ اجتماعی کا جدید تصور صرف معاش تک محدود ہے۔

سماجی فلاح (Social Welfare) کا تصور:

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ "عدل اجتماعی" کی اصطلاح نہ صرف اپنا مفہوم بدلتی رہی بلکہ الفاظ بھی بدلتے رہے ہیں۔ عدل اجتماعی کے لیے فلاحی ریاست (Welfare State) اور سماجی فلاح (Social Welfare) کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ اب سماجی فلاح اور عدل اجتماعی کا تحفظ حقوق انسانی (Human Rights) کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے ملینیم مقاصد (United Nations Millennium Declaration) میں سے ایک مقصد اجتماعی عدل کا فروغ بھی ہے۔

فلاحی ریاست حکومت کا ایسا تصور ہے جس میں شہریوں کو معاشرتی و معاشی مفادات کے تحفظ اور بہبود کی ضمانت دی جاتی ہے۔ فلاحی ریاست نادار لوگوں کو مساویانہ مواقع فراہم اور دولت کی مساویانہ تقسیم کی فراہمی کے اصول پر استوار ہے اس میں ریاست شہریوں کو بیروزگاری وظیفہ، تعلیم، صحت اور سماجی تحفظ وغیرہ فراہم کرتی ہے۔ برطانوی ماہر معاشیات (Thomas Humphrey Marshall) (م۔ ۱۹۸۳ء) کا کہنا ہے کہ فلاحی ریاست جمہوریت فلاح اور سرمایہ داری کا حسین امتزاج ہے۔ جرمنی، فرانس، برطانیہ، ناروے اور سویڈن وغیرہ فلاحی ریاست کہلاتی ہیں۔

فلاحی ریاست کی اصطلاح دوسری جنگ عظیم کے دوران ۱۹۴۱ء میں سامنے آئی جس کو ولیم ٹیمپل (William Temple) نے متعارف کروایا۔ ولیم ٹیمپل نے نیشنل سوشلسٹ جرمنی اور برطانوی معاشرہ میں فرق قائم کرتے ہوئے کہا کہ "جرمنی ایک جنگ جُو ریاست (Warfare State) اور برطانیہ ایک فلاحی ریاست ہے"۔ اس کے ساتھ ہی فلاح معاشرہ کی اصطلاح سامنے آتی ہے۔ ۱۹۴۲ء میں ہنری بیورج (William Henry

(Beveridge)(م۔۱۹۶۳ء) کی رپورٹ کے نتیجہ میں برطانوی فلاحی ریاست کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا ہے۔ اس رپورٹ میں حکومت کو بے روزگاری اور سماجی تحفظ کے حل کی سفارشات کی گئی تھیں۔ جس کو برطانیہ میں لیبر پارٹی کی حکومت نے ۱۹۴۵ء میں الیکشن جیتنے کے بعد عملی جامہ پہنایا۔

مختصر یہ کہ عدلِ اجتماعی کا قیام حکومت و ریاست کے بنیادی فرائض میں شامل ہے اور عدل اجتماعی کا زندگی کے کسی ایک شعبہ سے نہیں بلکہ تمام شعبہ جات اس سے وابستہ ہیں۔ فلاحی ریاست یا فلاح معاشرہ کو اجتماعی عدل کا ایک پہلو یا جزء کہا جاسکتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا استحصال:

فلسفہ تنویر (Enlightenment Philosophy) کی روشنی میں انسانیت کی فلاح اور اس کی تکالیف اور دُکھوں کا مداوا ''آزادی'' کے تصور میں تلاش کیا گیا کہ۔ چناں چہ سیاست ہو یا معیشت، معاشرت ہو یا تعلیم سب میں فلسفہ تنویر (Enlightenment Philosophy) کی یہ بنیادی فکر واضح نظر آئے گی۔

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت (Capitalist Economy) کو بازار معیشت (Market Economy) یا آزادانہ معیشت (Free Economy) بھی کہا جاتا ہے۔ اس پر حکومت یا ریاست کا کنڑول کم سے کم ہوتا ہے۔ تاکہ سرمایہ زیادہ سے زیادہ پھل پھول سکے۔ اس کو جدید کلاسیکی معاشیات کی اصطلاح میں ''نظریہ عدم مداخلت'' (Laissez-Faire) کہا جاتا ہے کہ یہ نظام اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ کہ اگر ہر شخص اپنے اپنے مفاد کی تحریک سے عمل پذیر ہو تو اس کے ذریعہ بیش ترین سماجی فلاح اپنے آپ ہی حاصل ہو جائے گی۔ اس صورت میں انفرادی فلاح اور سماجی فلاح میں تصادم نہ ہوگا اور آزاد قیمتوں کا نظام تمام معاشی وسائل کی بحسن وخوبی تقسیم اور مختلف اشیاو خدمات کی کارگذار پیداوار میں کامیاب ہوگا۔ ہر معاشی وسیلہ کو اس کی خدمت کا بیش ترین معاوضہ حاصل ہوگا، ہر شے اور خدمت کم ترین لاگت پر پیدا کی جائے گی۔ تمام معاشی وسائل بروئے کار لائے جائیں گے، ہر شخص کو روزگار ملے گا۔ اس صورت میں حکومت کی جانب سے معاشی دائرہ کار میں مداخلت کا کوئی جواز ہی نہیں ہے(۵)۔

''نظریہ عدم مداخلت'' درج بالا اپنے تمام اوصاف کے باوجود انسانیت کے لیے سم قاتل ثابت ہوا۔ یہی نظریہ ۱۹۲۹ء میں عالمی کساد بازاری (Great Depression) ۱۸۸۲ء کی عام ہڑتال (General Strike) کا سبب بنا۔

جدید معاشیات کے بانی آدم اسمتھ (Adam Smith) اپنی کتاب ” The Wealth of Nations“ میں لکھتے ہیں کہ حرص اور خود غرضی چوں کہ انسان کے خمیر میں شامل ہیں، اس لیے اگر تمام افراد کو اپنے اپنے مفادات کی تکمیل کی پوری پوری آزادی دی جائے تو سخت محنت کے نتیجہ میں بالآخر دولت کی ریل پیل ہو گی، اور اس میں انسانیت کی فلاح ہو گی۔ یہ آزاد تجارت اور منڈی کی معیشت کا پہلا منضبط فلسفہ تھا۔ اس طرح سرمایہ دارانہ نظام کا قیام اور استحکام اس بات پر منحصر ہے کہ حرص اور حسد عام ہو۔ ہر آدمی حریص ہو اور زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی خواہش رکھتا ہو۔ اس کو جدید معاشیات کی اصطلاح میں ”Accumulation“ کہتے ہیں۔ جدید معاشی تھیوری اس مفروضہ پر قائم ہے کہ ہر شخص فطرتاً خود غرض ہے۔ اور زیادہ زیادہ حصول لذت اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ ”آزادی“ جدید سیاسی اور جدید معاشی فکر کا بنیادی خاصہ ہے:

For liberal, freedom is first and foremost a political value. " Economic freedom is a necessary corollary of political (freedom, but liberty comes first."(6

سرمایہ دارانہ نظام نے درج ذیل مراحل سے گزر کر موجودہ عالمی حیثیت حاصل کی ہے:

۱۔ تجارتی سرمایہ داری(Merchant Capitalism)۔

۲۔ صنعتی سرمایہ داری(Industrial Capitalism)۔

۳۔مالیاتی سرمایہ داری(Financial Capitalism)۔

۴۔ فلاحی سرمایہ داری(Welfare Capitalism)۔

۵۔ ریاستی سرمایہ داری (State Capitalism)۔

۶۔عالمی سرمایہ داری(Global Capitalism)۔

سرمایہ دارانہ نظام کی درج بالا پہلی دو سے تین اقسام کا تعلق سترویں اور اٹھارویں صدی سے ہے۔ ان اقسام میں اگرچہ انسان کو دولت کی ریل پیل، دکھوں کے مداوا، اس دنیا ہی کو جنت بنانے کے سہانے خواب دکھائے گئے، مگر سرمایہ دارانہ نظام کے انہی مراحل میں انسانیت کا استحصال کیا گیا جس کے نتیجہ میں عدل اجتماعی کا تصور سامنے آیا ۔ صنعتی انقلاب کے بعد کم زور، کم آمدنی والے طبقہ پر سرمایہ دار طبقہ کی طرف سے بے شمار ظلم ڈھائے گئے، اس کا معاشی استحصال کیا گیا۔

سرمایہ داری کارد عمل:

اشتراکیت(Socialism)دراصل سرمایہ دارانہ تصور کے رد میں معرض وجود میں آنے والا تصور لیے ہے۔ پرولتاریہ یعنی مزدوراور کم زور طبقہ ،بنیادی سہولیات سے محروم طبقہ اور وہ طبقہ جو سرمایہ دار کا غلام بن کر رہ گیا تھا، اشتراکیت اس کے حقوق کے تحفظ کا نام ہے۔کارل مارکس نے ان کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی تھی۔اشتراکی نظامِ معیشت میں درج ذیل اصولوں کی بنیاد پر سماجی فلاح اور عدل اجتماعی قائم ہوتا ہے۔

بیسوی صدی میں اشتراکیت اور سرمایہ داری کی باہمی کشاکش۔۔تاریخی تناظر میں:

سرمایہ دارانہ نظام کی بربریت کی وجہ سے مغرب میں مزدور طبقہ پر ہونے والے استحصال اور ظلم کے خلاف آواز اٹھنا شروع ہوئی،اور یہ کہا جانے لگا کہ دولت اور اشیا میں قدر دراصل محنت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے، کیوں کہ اگر کسی شے کی کل قدر کا انحصار صرف وہ محنت ہے جو اُسے پیدا کرنے پر صرف ہوئی ہے، تو کیوں نہ اُس کی قیمت انہی لوگوں کو ادا کر دی جائے جن کی محنت اس سلسلہ میں کام آئی،اور وہ مزدور طبقہ ہے جس کا ہر دَور میں استحصال ہوتا رہا ہے۔کارل مارکس نے مزدوروں کے اس استحصال کے خلاف نہ صرف آواز اٹھائی بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کی سفاکی کے خلاف عملی جدوجہد کا بھی آغاز کیا۔دنیا بھر کے استحصالی طبقہ کو ایسا پلیٹ فارم فراہم کیا جس کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ نظام کے مفکرین نے انسانیت کی فلاح اور عدل اجتماعی کے لیے چند عملی اقدامات کیے۔اور اشتراکی فکر کا نعرہ ''اجتماعی عدل'' کے تصور کو کسی حد تک اپنانے کی کوشش کی۔

اشتراکی و سرمایہ دارانہ فکر کی باہمی کشاکش کے نتیجہ میں مخلوط معیشت(Mixed Economy)کا تصور سامنے آتا ہے۔موجودہ معیشت کی فکری بنیادیں مخلوط معیشت کے تصور پر استوار ہیں۔

عہد مابعد جدیدیت اور سماجی عدل:

عہد مابعد جدیدیت (Postmodernism) جس کا آغاز ڈیوڈلییون (David Lyon)کے مطابق1980ءسے ہوا۔عہد مابعد جدید کے مفکرین مغرب کی ترقی اور عدل اجتماعی کے تصور کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ جدید معاشرے کی تیزی سے تبدیل ہوتی ہوئی حالت ،نئے معاشرے کا مزاج، مسائل،ذہنی رویے یا معاشرتی وثقافتی یا ثقافتی کی تبدیلی جو ایک بحران(Crisis)کا درجہ رکھتی ہے۔عہد مابعد جدیدیت تاریخی طور پر ایک جدیدیت کے بعد ہے اور اس سے گریز بھی ہے۔عہد مابعد جدیدیت (Postmodernism) سے قبل مغرب میں جدیدیت (Modernism) روشن خیالی کے

منصوبے(Enlightenment Project)کا حصہ تھی، جیسا کہ ہیبر ماس(Hebermas)کے حوالے سے مارک سی ٹیلر(Mark C. Taylor)لکھتے ہیں۔

So understood, modernism is, as Hebermas continues to insist "
(an contention of Enlightenment project."(7

چنانچہ مغرب کا روشن خیالی کا منصوبہ انسان کی تاریخی اور سائنسی ترقی کے سہانے خواب سے عبارت تھا۔ مگر مغرب کے انسان نے سائنس سے جو توقعات وابستہ تھیں اس نے اتنے مسائل حل نہیں کیے جتنے پیدا کر دیئے۔ اسی کے ساتھ نہ صرف یہ کہ سائنسی ترقی سے انسانی مسرت کا خواب پورا نہیں ہوا بلکہ برقیاتی اور تکنیکی تبدیلیوں سے معاشرہ دیکھتے ہی دیکھتے ابلاغی معاشرہ(Media Society)میں بدل گیا۔ اور نئے تجارتی طور پر طریقوں نے صارفیت(Consumerism)کی ایسی شکلوں کو پیدا کر دیا جن کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ عہد مابعد جدیدیت کے مفکرین نے جن میں لیوتارڈ(Jean-Francois Lyoterd)جرگن ہیبر ماس(J. Hebermas)اور فوکو(fouicautl)وغیرہ شامل ہیں اس کا ناقدانہ جائزہ پیش کیا ہے اور عہد مابعد جدیدیت کے دور کی علمی و سائنسی ترقی کے خواب کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

لیوتارڈ(Lyoterd)کا کہنا ہے کہ کمپیوٹر معاشرہ میں علم(Knowledge)کی نوعیت یکسر بدل گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"Data Banks are the Encyclopedia of tomorrow, they are "nature" for postmodern men and women."(8)

اسی طرح لیوتارڈ لکھتا ہے کہ پس جدیدیت(Knowledge)پوری طرح کمرشل قوتوں کے زیر سایہ آگیا ہے۔ علم اب شخصیت کا جزو نہیں بلکہ منڈی کا مال ہے جسے خریدا اور بیچا جا سکتا ہے۔ علم اب حاکم نہیں بلکہ محکوم ہو گیا ہے اور علم جو پہلے ذہن انسانی کو جلا بخشنے یا شخصیت کو سنوارنے اور نکھارنے کے لئے حاصل کیا جاتا تھا، اب علم فقط اس لیے پیدا کیا جائے گا کہ منڈی معیشت میں اس سے منافع اندوزی کی جا سکے یا اس کو طاقت کے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ چنانچہ فوکو(Foucault)کے حوالے سے جان سٹوری(John Storey)لکھتے ہیں:

"Knowledge is not neutral or objective, Knowledge is produced for power relations."(9)

پس جدیدیت کاسب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا روشن خیالی کا پروجیکٹ کانام ہوگیا؟ یہ منصوبہ(Project)اٹھارویں صدی کے فلاسفہ کی امید پرور اور حوصلہ مندانہ فکر سے یادگار چلا آتا تھا جنہوں نے انسان کی ترقی کاخواب دکھایا تھااور جو سائنس کی معروضی پیش رفت، آفاقی اخلاقیات اور قانون کی بالادستی سے عبارت تھا۔ اور اس بات پر یقین و ایمان تھا کہ فطرت اور مادی وسائل پر قدرت حاصل ہو جانے سے ذات اور کائنات کا عرفان بڑھے گا، عدل وانصاف اور امن وامان کا دور دورہ ہوگا اور انسان مسلسل ترقی کی منازل طے کرتا چلا جائے گا۔

مگر روشن خیالی کے خوابوں کی جو تعبیر سامنے آئی ہے وہ نہ صرف حوصلہ افزا نہیں بلکہ مایوس کن بھی ہے۔ سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی اور جدیدکاری کے ساتھ دنیا کی جو تصویر بنی ہے وہ اس کے بالکل برعکس او متضاد ہے جو روشن خیالی کے علمبرداروں نے دکھائی تھی، بظاہر آسائشوں اور ساز وسامان سے بھرپور زندگی، اندر سے کھوکھلی اور بے تہہ ہوچکی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کے مادی فلسفہ کی وجہ سے فوری نتائج وکامیابی، منافع خوری، حرص وہوس، لالچ وطمع، اور اقتدار کی ہوس حاوی محرکات ٹھہرے ہیں۔ خوشی اور مسرت منڈی کا مال ہیں۔ اور ہر چیز کمرشل رنگ میں رنگ کر اپنی اصلیت سے محروم ہوچکی ہے۔ چنانچہ پس جدیدیت کے مفکرین جدیدیت کے سابقہ تصور کو چیلنج کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان یقیناترقی(Progress) کررہا ہے لیکن یہ ترقی کیفیتی اعتبار سے نہیں بلکہ کمیتی اعتبار سے ہے۔ کیفیتی اعتبار سے انسان کی یا علم کی جس ترقی کی ضمانت دی گئی تھی، افسوس کہ وہ پوری نہ ہوئی اور اس طرح روشن خیالی کا منصوبہ اپنی شکست سے دوچار ہوچکا ہے۔ فوکو(Foucault) کے نزدیک جدید کاری کے تمام خواب مثلاً صداقت مطلق کی جدلیات، انسان کی آزادی وحریت غیر طبقاتی معاشرہ وخوشحالی اور امن ومسرت کا خوش کن خواب، سب پر سوالیہ نشان لگ چکا ہے۔

درج بالا بحث دیکھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ روشن خیالی اور تحریک اصلاح کے وقت سرمایہ داری فکر کے ذریعے اور بعد میں اشتراکی فلسفہ کے تحت انسانیت کو جو سہانے خواب دکھائے گئے تھے وہ عہد مابعد جدیدیت(Postmodernism) میں بکھر چکے ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں جو ثقافتی ومعاشرتی مسائل ہیں، وحی کی تعلیمات کی روشنی میں ہی حل کیے جاسکتے ہیں۔ وحی حقیقی کی روشنی میں جو معاشرہ ترتیب پائے گا اس کی بنیاد حرص وہوس پر نہیں بلکہ محبت واخوت پر ہوگی۔

جدیدیت(Modernism)نے جس بے روح اور مادیت زدہ انسان کو پروان چڑھایا تھا وہ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں اپنے سہانے خوابوں کو بکھرتا دیکھ کر اور ذہنی انتشار کا شکار ہو کر حقیقت مطلقہ کی تلاش میں سر گرداں نظر آنے لگا۔ کیونکہ اب اس نے مادیت، حرص وہوس، لالچ و طمع اور تعیشات کی آخری حدوں کو چھو کر اس حقیقت کو پالیا تھا کہ یہ انسانیت کی معراج اور اسکی زندگی کا مقصود نہیں بلکہ یہ حیوانیت سے بھی بدتر اور مقام اسفل سافلین ہے روح کی پیاس نے جدید انسان کو دوبارہ مذہب کی طرف لوٹادیا۔ کیونکہ عقلِ معاش و عقلِ وجزوی کی پیروی، حسیت و تجربیت پر مبنی علوم کبھی بھی مذہب کا متبادل نہیں پیش کر سکتیں۔

علامہ اقبال انسانیت کی موجودہ اخلاقی وروحانی تباہ حالی، مایوسی اور دل گرفتگی کا علاج سرمایہ داری یا اشتراکیت میں نہیں بلکہ مذہب حقیقی کے اختیار کرنے میں دیکھتے ہیں۔ علامہ لکھتے ہیں کہ ازمنہ متوسطہ کا نوفلاطونی تصوف ہو یا وطنیت پرستی اور نہ ہی الحادی اشتراکیت انسانیت کی مایوسی اور دل گرفتگی کا مداوا ہر گز نہیں کر سکتی، جس میں آج کل کی دنیا گرفتار ہے، اور جس کی وجہ سے تہذیب انسانی کو ایک زبردست خطرہ درپیش ہے:

"Neither the technique of medieval mysticism, nor nationalism, nor atheistic socialism can cure the ills of a despairing humanity. Surely the present moment is one of great crisis in the history of modern culture. The modern world stands in need of biological renewal. And religion, which in its higher manifestations is neither dogma, nor priesthood, nor ritual, can alone ethically prepare the modern man for the burden of the great responsibility which the advancement of modern science necessary involves, and restore to him that attitude of faith which makes him capable of winning a personality her and retaining it hereafter. It is only by rising to a fresh vision of his origin and future, his whence and whither that man will eventually triumph over a society motivated by an inhuman competition and a civilization which has lost its spiritual unity by its inner conflict of religious and political values."(10)

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اشتراکیت کے زوال کا یہ ہر گز مطلب نہیں ہے کہ سرمایادارانہ نظام کو سند جواز مل گئی ہے، بلکہ یہ آج بھی اتنا ہی انسانیت کے لیے سم قاتل ہے جتنا کہ پہلے انسانیت سوز تھا۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور عدلِ اجتماعی

پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین میں عدل اجتماعی کا باقاعدہ ذکر موجود ہے۔اہم بات یہ ہے کہ پاکستان کے آئین میں جس عدل اجتماعی کا ذکر ملتا ہے زندگی کے کسی ایک شعبہ کے متعلق نہیں بلکہ تمام پہلوؤں کے متعلق ملتا ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئینِ پاکستان کے ابتدائیہ (Preamble) میں لکھا گیا ہے کہ جیسا کہ کل عالم پر خدائے قادرِ مطلق کی حاکمیت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجوزہ اختیارات کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کا استعمال پاکستانی عوام کے پاس ایک مقدس امانت کی طرح ہے اور جیسا کہ پاکستانی عوام کی یہ خواہش ہے کہ وہ ایک ایسا نظام قائم کریں جس کے تحت جمہوریت، آزادی مساوات رواداری اور عدل اجتماعی (Social Justice) کے ان اصولوں پر مکمل طور پر عمل کیا جائے جو اسلام کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں:

"Whereas sovereignty over the entire Universe belongs to Almighty Allah alone, and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust; And whereas it is the will of the people of Pakistan to establish an order: Wherein the principles of democracy, freedom, equality, tolerance and Social Justice, as enunciated by Islam, shall be fully observed."(11)

آئینِ پاکستان کے آرٹیکل نمبر ۳۷ کے مطابق سماجی عدل (Social Justice) کا فروغ اور برائیوں کا سدّ باب کرنے کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

Promotion of social justice and eradication of social Evils. The State shall:

(a) Promote, with special care, the educational and economic interests of backward classes or areas;

(b) Remove illiteracy and provide free and compulsory secondary education within minimum possible period;

(c) Make technical and professional education generally available and higher education equally accessible to all on the basis of merit;

(d) Ensure inexpensive and expeditious justice;

(e) Make provision for securing just and humane conditions of work, ensuring that children and women are not employed in vocations unsuited to their age or sex, and for maternity benefits for women in employment;

(f) Enable the people of different areas, through education, training, agricultural and industrial development and other methods, to participate fully in all forms of national activities, including employment in the service of Pakistan;
(g) Prevent prostitution, gambling and taking of injurious drugs, printing, publication, circulation and display of obscene literature and advertisements;
(H) Prevent the consumption of alcoholic liquor otherwise than for medicinal and, in the case of non-Muslims, religious purposes; and
(i) Decentralize the Government administration so as to facilitate expeditious disposal of its business to meet the convenience and requirements of the public.(12(

آئینِ پاکستان کے آرٹیکل نمبر ۸۳ کے مطابق پاکستانی عوام کی سماجی اور معاشی فلاح وبہبود کے لیے بھی اقدامات کیے جائیں گے۔

Promotion of social and economic well-being of the People.The State shall:
(A) secure the well-being of the people, irrespective of sex, caste, creed or race, by raising their standard of living, by preventing the concentration of wealth and means of production and distribution in the hands of a few to the detriment of general interest and by ensuring equitable adjustment of rights between employers and employees, and landlords and tenants;
(B) Provide for all citizens, within the available resources of the country, facilities for work and adequate livelihood with reasonable rest and leisure;
)c) provide for all persons employed in the service of Pakistan or otherwise, social security by compulsory social insurance or other means;
(D) Provide basic necessities of life, such as food, clothing. housing, education and medical relief, for all such citizens, irrespective of sex, caste, creed or race, as are permanently or

temporarily unable to earn their livelihood on account of infirmity, sickness or unemployment;
(E) Reduce disparity in the income and earnings of individuals, including persons in the various classes of the service of Pakistan; [17A[
(F) Eliminate rib as early as possible [17B](13)

پاکستان کے آئین میں عدل اجتماعی، فلاحی ریاست اور فلاحِ معاشرہ کا تفصیلی ذکر موجود ہے مگر بد قسمتی سے اس پر عمل کرنے میں کوتاہی برتی جاتی ہے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے تساہل برتا جاتا ہے۔

تعلیماتِ نبوی اور فلاح معاشرہ کا بدلتا تصور

فلاحی ریاست یا فلاح معاشرہ کے تصور میں حکومت و معاشرہ دونوں شامل ہوتے ہیں کہ حکومت اور ریاست کے بنیادی فرائض میں شامل بات شامل ہے کہ لوگوں کو غربت، مفت تعلیم، بے روزگاری وظیفہ اور مفت علاج وغیرہ فراہم کرے۔ مگر عہد مابعد جدید میں یہ تصور بدل رہا ہے اب یہ کہا جارہا ہے کہ حکومت وریاست پر انحصار کی بجائے ویلفیئر سوسائٹی (Welfare Society) کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ ویلفیئر سوسائٹی یا سماجی تنظیم کا تصور روبسن (W. A. Robson) کی کتاب (The Welfare State and Welfare Society) کے بعد سامنے آتا ہے:

"In this conception, society at large should be responsible for its own welfare."(14)

اس موضوع پر دوسری اہم کتاب جے۔ جے۔ راجر (J. J. Rodger) کی سامنے آتی ہے جس کا نام حسب ذیل ہے:

"From a Welfare State to a Welfare Society: The Changing Context of Social Policy in a Postmodern Era."(15)

فلاحِ معاشرہ (Welfare Society) اور سماجی تنظیم (Social Welfare) کے تصورات میں فرق یہ ہے کہ فلاح معاشرہ کا تعلق حکومتِ وقت سے ہوتا ہے جب کہ سماجی تنظیم کا حکومت سے غیر وابستہ شہریوں سے ہوتا ہے، اس میں لوگ اپنی مدد آپ کے تحت فلاحی ادارے قائم کرتے ہیں، جن کو آج کی معروف اصطلاح میں این جی اوز (Non-Governmental Organizations) کہا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومتِ وقت پر بوجھ ڈالنے اور بوجھ بننے کی بجائے اپنی مدد آپ کے تحت رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور

اس تصور کو عام کریں۔ محققین کا کہنا ہے کہ عالم گیریت کی وجہ سے قومی ریاست سماجی فلاح کے منصوبوں سے دست بردار ہو رہی ہے۔

سماجی تنظیم یا ویلفیئر سوسائٹی کا تصور اگرچہ جدید فکر و فلسفہ کے اعتبار سے نیا ہے مگر اس کی بنیادیں اسلام میں ملتی ہیں ۔ مواخاتِ مدینہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے غربت و تعلیم جیسے معاشی و سماجی مسائل کو ریاست و حکومتِ اسلامیہ کے ذریعے حل نہیں کیا بلکہ سماجی تنظیم (Welfare Society) ہی کے قیام میں ان مسائل کا حل تجویز فرمایا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث۔"

جس کے گھر میں دو بندوں کا کھانا ہے وہ تیسرے کو ساتھ لے جاے۔

دوسری مثال سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ انہوں نے عہدِ نبوی میں ایک یہودی سے کنواں خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ جس کی قیمت بارہ ہزار درہم ایک مرتبہ اور آٹھ ہزار درہم دوسری مرتبہ ادا کی، جیسا کہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب (ص ۴۴۵) میں تحریر کیا ہے۔

"من يبتاعُ بئر رومة غفرالله له؟ فابتعته بكذا وكذا ، فاتيت رسول الله ﷺ فقلتُ: قد ابتعتها بكذا وكذا، قال : اجعلها سقاية للمسلمين واجرها لک۔"

(نسائی، احمد بن شعيب، السنن المجتبیٰ بشرح الحافظ جلال الدين سيوطی و حاشية الامام السندی ، کتاب الاحباس ، باب : وقف المساجد ، دار المعرفة ، بيروت ، جلد ۵، ص ۵۴۴۔)

عصر حاضر میں علمائے کرام کی ذمہ داریاں:

اسلامی معاشرہ میں علماء ہی رہبر و رہنما ہوتے ہیں اور معاشرہ کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس لیے موجودہ حالات میں حکومت کی ناکامی کی صورت میں معاشرہ کی جہاں ایک طرف دینی تربیت لازم ٹھہرتی ہے تو دوسری طرف دنیاوی امور میں رہنمائی اور اس کی منصوبہ بندی بھی علماء ہی کی ذمہ ٹھہرتی ہے۔ جیسے مخیر حضرات (Philanthrapists) غرباء و مساکین اور مستحقین کے لیے جہاں دستر خوان انتظام کریں تو دوسری طرف اس دستر خواں کو مسجد سے وابستہ کر دیا جائے، جس سے لوگوں کی دینی تربیت بھی ممکن ہو سکے گی۔

اسی طرح نو مسلم حضرات کی دینی تربیت کے لیے ادارے قائم کیے جائیں جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب (م۔1943) نے بھی اس طرف توجہ مبذول کروائی تھی۔ اسی پس منظر میں "**مولفة القلوب**

''کی مد جس کو بعض فقہاے کرام نے معطل کر دیا تھا بحال کرنے کے لیے غور و خوض کی ضرورت ہے۔اس پہلو کی طرف ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے بھی اپنی تحریروں میں اس بات کا اظہار کیا ہے۔اس مد کی بحالی سے نو مسلموں کی تربیت کے لیے فنڈز کی فراہمی ممکن ہو سکے گی۔

سماجی بہبود کے کام غیر مذہبی طبقہ کے کرنے میں اس بات کا امکان تو ہے کہ لوگوں کو مادی منفعت حاصل ہو جاے مگر علماء کرام کے ان کاموں میں نگرانی اور وابستگی سے دینی و دنیوی اصلاح کا امکان بڑھ جاتا ہے۔اور علماء کرام اس طریقہ سے اپنی دعوتی و تبلیغی ذمہ داریوں اور سرگرمیوں سے بھی عہدہ براہو سکتے ہیں۔

سفارشات و تجاویز

الف۔عدل اجتماعی کا تعلق کسی زندگی کے کسی ایک جہت سے نہیں بلکہ انسانی زندگی کے تمام پہلووں سے اس کا تعلق ہے۔لہٰذا جس تہذیب کے ایک پہلو میں تو عدل اجتماعی پایا جاتا ہو مگر باقی شعبہ ہائے زندگی اس سے عاری ہوں تو وہ تہذیب معتدل تہذیب(Moderate Civilization) کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔

ب۔سرمایہ دارانہ اور اشتراکی ممالک میں عدل اجتماعی اور فلاح معاشرہ کا ادھورا تصور ہے کہ ایک طرف لوگوں کو معاشی تحفظ دیا جاتا ہے تو دوسری طرف عائلی نظام زندگی تباہ کے دہانے پہنچ چکا ہے۔روحانی زندگی کا تصور ختم ہو چکا ہے۔

ج۔عہد نبوی میں سماجی تنظیم کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ ریاست اسلامیہ پر بوجھ بننے کی بجاے عوام الناس نے اپنی مدد آپ کے تحت لوگوں کے معاشی و سماجی مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ روحانی و دینی تربیت بھی فراہم کی۔

د۔اسلام کے معاشی شعبہ میں اس سلسلہ میں پورا نظام موجود ہے،جو تکافل کے نام سے جانا جاتا ہے۔تکافل بھی لوگوں ہی سے وابستہ نظام کا نام ہے۔

ھ۔آئین پاکستان میں اگرچہ عدل اجتماعی کا تفصیلی ذکر موجود ہے مگر عملاً تساہل برتا جاتا ہے۔جس کی وجہ حکومت و ریاست پاکستان کا معاشی طور پر کمزور ہونا ہے۔سماجی تنظیم(Welfare Society) کے ذریعے یعنی اپنی مدد آپ کے تحت فلاحی کاموں کو جاری و ساری رکھا جا سکتا ہے۔

و۔سماجی تنظیم کے تحت غربت و افلاس،بیروزگاری،سودی قرضہ جات اور تعلیم و تربیت وغیرہ جیسے مسائل کو بطریق احسن حل کیا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ دینی و روحانی تربیت بھی کی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات

1. Leo W. Shields, the History and Meaning of the Term Social Justice, Notre Dame, Indiana, 1941, p. 26.
2. ابراهيم حداد، العدالة الاجتماعية، دار الثقافة ، بيروت ، ١٩٦٣ء، ص ١١،١٠۔
3. Social Justice in an Open World, United Nations, New York, 2006, p. 3.
4. Social Justice in an Open World, United Nations, New York, 2006, p. 3.
5. اوصاف،احمد،ڈاکٹر، علم معاشیات اور اسلامی معاشیات،ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی،انڈیا،2010ء، ص٦٦،٦٧۔
6. King, Desmond S.The New Right, the Dorsey Press, 1987, Chicago, p. 82.
7. Wolff, Jonathan, Social Justice, p. 172.Reforming postmodernism" by M.C Taylor, which is a part of "Postmodernism and Religion" Edited by Philoppa Baerry Routledge, London. 1992)
8. Layotard, F., the Postmodern Condition, p. 195)
9. Story, Hohn, cultural theory and Popular culture, p-167, Harvester wheatsheaf, London.1993)
10. Iqbal,Allama, Muhammad, Reconstruction of Religious Thoughts in Islam, p.
11. Constitution of Pakistan 1973(Preamble).
12. Constitution of Pakistan 1973(Preamble).
13. Constitution of Pakistan 1973.
14. Robson, William Alexander, Welfare State and Welfare Society: Illusion and Reality Allen and Unwin, 1976.
15. Rodge, John J., From a Welfare State to a Welfare Society: The Changing Context of Social Policy in a Postmodern Era, Palgrave Macmillan, 2000.